خصائصِ نبوّت۔عہد نامۂ قدیم کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر آسیہ کریم *

Semetic religions are common in many beliefs and injunctions. However differences are there in basics & details. The Holy Quran reveals that all religions are fruits of same source & differences were evolved later by the Human being who were following their instincts & temporal sentiments. The article deals with the concept of prophethood in Judaism & its analytical review. It has been highlighted that some common points be traced out in Islam & Judaism & Critical appreciation of Jews' thoughts. The article tells about the deviations of Jews from the pure concepts of prophethood. The basic traits of Holly Prophets have also been mentioned in Old Testament. Jews have tried to incest their fabricated dogmas in Holy bible.

توحید کی طرح ادارۂ نبوّت کا تصور بھی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی مشترک میراث ہے، اگر چہ ان دونوں عقائد کی تفصیلات کے علاوہ، بعض اساسیات میں بھی ان تینوں ادیان کے پیرو مختلف الخیال ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق ختم المرسلین، حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم دین اسلام کے بانی نہیں،(۱)(جیسا کہ دیگر مذہبی روایات کے پیشواؤں کے لیے دعوے کیے گئے ہیں) بلکہ اس سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی ہیں جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور ہر خطے میں، ہر قوم کے لیے، یہ سلسلۂ ہدایت و رہنمائی جاری رہا تھا۔﴿وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾(۲) عالم انسانی جب عقل و شعور کی پختگی کو پہنچا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں تکمیل دین و شریعت کی تاب لانے اور تحمل کرنے کے قابل (۳) ہوا تو اسے وہ مکمل سچائی، کامل دین و شریعت عطا کیا گیا جس نے سابقہ شرائع کو منسوخ کیا اور قیامت تک کے لیے اللہ رب العالمین کے ہاں مقبول و منظور طرزِ عمل قرار پایا۔﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾۔(۴)﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾(۵)) تکمیل دین کے ساتھ سلسلہ نبوّت و رسالت کے خاتمے کا بھی اعلان فرما دیا گیا۔﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾(۶)

یہودی نقطۂ نظر کے مطالعہ کی ضرورت

خصائصِ نبوّت کے حوالے سے یہود کے نقطۂ نظر کے مطالعے کے دو اہم اسباب ہیں۔

اوّلاً یہ کہ اہلِ کتاب (یہود اور نصاریٰ دونوں) کا تصورِ نبوّت عہد نامۂ قدیم ہی سے ماخوذ ہے۔عہد

* وزٹینگ لیکچرار، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور

نامۂ جدید تو ایک بالکل من گھڑت اور خلاف حقیقت تصور پیش کرتا ہے۔ جہاں سیدنا مسیح علیہ السلام کو بشریت کے مرتبے سے اٹھا کر ابن اللہ کے منصب پر فائز کر دیا گیا ہے اور وہ کسی پیغمبرانہ مشن پر مامور نظر آنے کی بجائے، اپنے اوپر ''محض ایمان'' لانے والوں کے لیے کفارہ اور ذریعہ نجات تصور کئے جاتے ہیں۔

ثانیاً دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام کے حوالے سے عموماً اور رسالت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے اہل کتاب خصوصاً جس دلآزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کی بنیادیں ان کے تصورِ نبوّت و رسالت میں تلاش کی جائیں۔تاہم یہودی عقائد و شرائع کی بنیاد ہونے کے ناتے عہد نامۂ قدیم سے استدلال و استشہاد کرتے ہوئے یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جس توراۃ کو قرآن ضیاء، نور اور سرچشمۂ ہدایت (۷) قرار دیتا ہے، موجودہ تورات کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی انبیاء کی کتب، (جو عہد نامۂ قدیم کا حصہ ہیں) روایت و درایت کے مستند اور مسلّمہ معیاروں پر پوری اترتی ہیں۔

یہودی ادب میں نبوّت کا مفہوم

عبرانی زبان میں نبی کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔navi (nabi)، roeh اور Navi- hozeh کا ترجمہ نبی ہی کیا گیا ہے جبکہ دیگر دونوں اصطلاحات دیکھنے والے (Seer) کے معنوں میں استعمال ہوتی ہیں۔(۸)

بائیبل ڈکشنری اور قاموس الکتاب میں عہد نامۂ قدیم سے استفادہ کرتے ہوئے ''نبوّت'' کے جو مختلف مفہوم متعین کیے گئے ہیں ان کے مطابق ''نبی'' وہ شخص ہے جسے ''پکارا گیا'' یا وہ ''اللہ کے نام پر دوسروں کو پکارتا ہے''۔ لفظ نبوّت غیب دانی، پیشین گوئی اور بصیرت وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔(۹) Enc. Judaica کے مطابق

> "The Hebrew term for a prophet "navi" cognate of the Akkadian verb "nabi" "to call" that is one who has been called...... The term "nabi" translated into the Septuagint by the Greek word "prophetes" (Prophet) which means "one who speaks on behalf of or "to speak for", "speak before" is a "forth teller" and "spokes man" as well as foreteller and prognosticator. He is God's mouthpiece, the one to whom God speaks and who, in turn, speaks forth for God to the people."(۱۰)

Enc. Judaica کے مندرجہ بالا اقتباس کے برخلاف، جس میں لفظ ''نبی کا مادہ'' ''اکادی'' (سامی بابل کی ایک زبان، جو عبرانی سے ملتی جلتی تھی (۱۱)) سے ماخوذ مانا گیا۔Dictionary of the Bible میں

اسے عربی لفظ نبأ Nabaa سے مشتق قرار دیا گیا ہے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"The word itself "Nabi" occurs in Arab but may be loanword form Hebrew...... The root "Nabaa" in Arab means to come forward or into prominence and causative to bring forward specially to do so by speech..... The word "nabi" therefore would mean, he who announces or brings a message. The term however has not in usage the general sense of announcer or speaker but always means "one who speaks from God"... and speak in an excited manner." (۱۲)

تاہم حیرت اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ عربی ماخذ سے استفادے کے باوجود ''ڈکشنری آف بائبل'' کے محقق کی نظر سے (غالباً عہد نامۂ قدیم کے ''ماحول'' میں مستقل رہنے کی وجہ سے) نبوّت کے وہ اہم مفاہیم اوجھل رہ گئے جن کا تذکرہ مسلم ماہرین لغت میں سے ہر ایک نے کیا ہے۔ مثلاً ابن منظور بتاتے ہیں کہ نبوّت کا ایک مفہوم ارتفاع اور بلندی بھی ہے۔ (۱۳) فرّاء نے اسی مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس معنی میں نبی ساری مخلوق سے بلند ہوگا۔ ''وان اخذت من النبوة والنباوة، وهی الارتفاع، أی انه اشرف علی سائر الخلق'' (۱۴) اسی طرح امام راغب نے ''خبر کے معیار'' کے حوالے سے جن خاص معانی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور جن کو ملحوظ رکھے بغیر ''نبوّت'' کا صحیح مفہوم اور نبی کا درست مقام متعین نہیں کیا جا سکتا۔ ڈکشنری آف بائبل میں وہ بھی جگہ نہیں پا سکے۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں:

''النبأ کے معنی خبر مفید کے ہیں۔ جو علم یا غلبۂ ظن کا فائدہ دے۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے کسی خبر پر نبأ کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تین چیزیں موجود نہ ہوں یعنی۔ نہایت مفید ہونا۔ علم۔ غلبۂ ظن کا حصول۔ اور نبأ صرف اسی خبر کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا احتمال نہ ہو جیسے خبر متواتر، خبر الٰہی اور خبر نبوی۔'' (۱۵)

عہد نامۂ قدیم میں تاریخِ نبوّت:

یوں تو یہودیت کو ''تاریخی شعور سے لبریز مذہب'' کہا جاتا ہے (۱۶) اور نبوّت، خود یہود کے خیال میں، دنیا کی دیگر اقوام کے مقابلے میں ان کا سرمایۂ فخر و ناز ہے۔ (۱۷) تاہم یہ عجیب معاملہ ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے برعکس، جہاں اولین انسان، حضرت آدم علیہ السلام سے سلسلۂ نبوّت کا آغاز مانا گیا ہے۔ (۱۸) جو کہ منطقی بھی ہے اور انسانی ہمدردی کا تقاضا بھی، کہ اسے زمین پر بھیجتے ہوئے مرضیاتِ الٰہی کی رہنمائی عطا کی جاتی (۱۹) تورات سلسلۂ انبیاء کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرتی ہے۔

سیّدنا آدم علیہ السلام تورات کے بیان کے مطابق، محض جدّ انسان ہیں۔ انہیں تخلیق کر کے خداوند نے

''باغِ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے'' (۲۰) کیونکہ اس وقت تک ''زمین جوتنے کو کوئی انسان نہ تھا'' (۲۱) تورات کے مطابق تو آدم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کی پہچان بھی کافی دیر سے ہوتی ہے جب آدم کا بیٹا سیت پیدا ہوا اور سیت کا بیٹا انوس ''اس وقت سے لوگ یہوواہ کا نام لے کر دعا کرنے لگے'' (۲۲)

تورات کی کتاب پیدائش میں جس دوسری بڑی شخصیت کا تذکرہ ملتا ہے وہ سیّدنا نوح علیہ السلام ہیں۔ وہ جلیل القدر پیغمبر، جن کا عرصہ نبوّت دیگر تمام انبیاء کرام سے زیادہ طویل تھا اور جن کی عزیمت اور داعیانہ اضطراب کا قرآن مجید میں تحسین کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۳) ان کے بارے میں تورات صرف اتنا بتاتی ہے کہ ''نوح مردِ راست باز تھا، اپنے زمانے کے لوگوں میں بے عیب، اور نوح خدا کے ساتھ چلتا رہا'' (۲۴) آگے چل کر، نبوّت اور رسالت کے بغیر ہی حضرت نوح علیہ السلام کو برکت عطا کی گئی، ہر چلتا پھرتا جاندار ان کے لیے حلال کیا گیا اور قصاص کا حکم دیا گیا۔ مخلوقاتِ ارضی کے بارے میں عہد کیا گیا کہ اب ان سب کو کبھی بھی پانی کے طوفان سے ہلاک نہ کیا جائے گا اور ''اس عہد کا نشان یہ ہے کہ میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں، وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی'' (۲۵)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام جن کو تورات پہلا نبی بتاتی ہے، (۲۶) وہاں بھی دیکھیے تو سارا زورِ بیان انہیں سرزمینِ فلسطین وشام کی میراث دینے، ان کی نسل کے ریت کے ذرّوں کی تعداد تک پہنچ جانے (جو گنے نہ جا سکیں گے)، اور ابدالآباد تک اس عہد کے نباہنے پر مرکوز ہے۔ (۲۷) اس عہد کی نشانی کے طور پر ختنہ لازم کیا گیا۔ (۲۸) کچھ ایسا ہی مقام بنی اسرائیل کے جدّ امجد سیّدنا یعقوب علیہ السلام اور سیّدنا یوسف علیہ السلام کو دیا گیا ہے۔ قاموس الکتاب کے مطابق ''یعقوب اسرائیلی قوم کا بزرگ تھا''۔ (۲۹) انہیں اسرائیل کا لقب اس لیے ملا کہ ''اس نے خدا اور بندوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔'' (۳۰) یوسف بھی بزرگ، راست باز اور باپ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں، محض اس لیے کہ وہ ان کی محبوب بیوی سے پیدا ہوئے۔ خصائص واخلاق کا وہ تذکرہ، جو قرآن مجید میں ''احسن القصص'' کے عنوان سے بیان ہوا، اس پورے قصے میں کہیں آیا ہی نہیں۔ (۳۱)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام۔ معیارِ نبوت:

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام، تورات کے مطابق اولین شخصیت ہیں، جنھیں نبوّت کے منصب پر فائز کیا گیا اور وہ خصائصِ نبوّت کی ایک جامع تصویر ہیں۔ انہیں کی شخصیت '' Prophet par

excellence‘‘(۳۲)اور آئندہ کی ’’نبوّتوں کے لیے معیار‘‘(۳۳) قرار دی گئی ہے۔ بحوالہ کتاب استثنا‘‘ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا۔‘‘(۳۴)

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت کے حوالے سے اور آگے چل کر بعض دیگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے تذکروں میں بھی، عہد نامۂ قدیم میں مذکور اہم خصائصِ نبوّت مختصراً درج ذیل ہیں۔

وھبیت:

عہد نامۂ قدیم کے مطابق، وھبیت، سچی نبوّت کی اولین خصوصیت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے سسر کے ہاں سے بھیڑ بکریوں کو ہنکاتے ہوئے ’’بیابان کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورِب کے نزدیک‘‘(۳۵) پہنچے تو جھاڑی میں سے ’’خدا نے اسے پکارا‘‘(۳۶) اور نبوّت عطا کر کے فرعون کے پاس جانے اور قومِ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لانے کا مشن تفویض کیا۔(۳۷)

ساتویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل کے نبی یرمیاہ بن خلقیاہ (۳۸) عطائے نبوّت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

> ’’تب خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا اور اس نے فرمایا۔ اس سے پیشتر کہ میں نے تجھے بطن میں خلق کیا۔ میں تجھے جانتا تھا اور تیری ولادت سے پہلے میں نے تجھے مخصوص کیا اور قوموں کے لیے تجھے نبی ٹھہرایا...... جس کسی کے پاس میں تجھے بھیجوں گا، تو جائے گا، اور جو کچھ میں تجھے فرماؤں گا تو کہے گا...... تب خداوند نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے منہ کو چھوا اور خداوند نے مجھے فرمایا۔۔ دیکھ آج کے دن میں نے تجھے قوموں پر اور سلطنتوں پر مقرر کیا......(۳۹)

تبلیغ:

انبیاء کرام علیہم السّلام کی یہ صفتِ خاص ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات و احکام بندوں تک پہنچاتے ہیں اور اس میں سے ایک حرف بھی چھپا کر نہیں رکھتے خواہ انہیں اس تبلیغ میں کتنی ہی ایذاء رسانی اور اشرار کی شر انگیزی کا خطرہ ہو۔(۴۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت سے اچانک سرفراز فرمائے جانے کے بعد فوری حکم ملتا ہے ’’سو اب آمیں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں‘‘(۴۱) اور یہ کہ بنی اسرائیل سے بھی جا کر کہیں کہ ’’خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا، ابرہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا

ہے‘‘(۴۲)اور یہ بھی کہ’’ تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سنا دے‘‘(۴۳)

اس خلافِ توقع آمدہ گراں بارِ ذمہ داری سے پیغمبرانِ کرام علیہم السلام پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تورات کا بیان......’’ تب اس نے کہا کہ اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے، جسے تو چاہے، یہ پیغام بھیج۔‘‘(۴۴)اس فریضے کی ادائیگی میں پیغمبروں نے اپنے ہی لوگوں سے تند و تلخ باتیں بھی سنیں اور بادشاہوں کے مظالم بھی برداشت کیے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا کہ بنی اسرائیل جب’’فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے راستے پر کھڑے ملے،تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمھارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے‘‘(۴۵)یرمیاہ نبی شاہِ یہوداہ کے گھر میں قید کیے گئے’’ کیونکہ شاہِ یہوداہ صدقیاہ نے اسے یہ کہہ کر قید کیا کہ تو کیوں نبوّت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اس شہر کو شاہِ بابل کے حوالہ کردوں گا اور وہ اسے لے لے گا......اور شاہِ یہوداہ صدقیاہ کسدیوں کے ہاتھ سے نہ بچے گا‘‘(۴۶)

عباس محمود العقّاد لکھتے ہیں:

’’خلافِ شریعت افعال پر مؤاخذہ اور نبی کی مزاحمت پر ملوک اور امراء، اس کی شدید گرفت کرتے اور عبرت ناک سزا دیتے تاکہ وہ اس کو لوگوں میں جھوٹا’’ ثابت‘‘ کر دکھائیں اور انہیں یہ بتا سکیں کہ نبی مامور من اللہ نہیں تھا۔کسی نبی کا ہلاک ہو جانا اس کے دعوائے نبوّت کے جھوٹے ہونے کی سب سے بڑی دلیل سمجھا جاتا تھا۔‘‘(۴۷)یوں، بنی اسرائیل میں دعوت وتبلیغ کی گراں بار ذمہ داری اور بھی مشکل ہو جاتی تھی۔‘‘

انبیاءِ بنی اسرائیل کے ذرائعِ علم...... یہودی نقطۂ نظر

عہد نامۂ قدیم سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق انبیاء کرام تک پیغامِ الٰہی پہنچنے کے ایک سے زیادہ طریقے تھے۔سیّدنا موسیٰ علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں نمایاں ترین مقام اسی حوالے سے رکھتے ہیں کہ وہ’’ خداوند سے روبرو باتیں‘‘(۴۸)کرتے تھے۔ Enc. Judaica کے مقالہ نگار کے مطابق

Moses....is cast as prophet par excellence. He is distinguished by God's revealing himself directly to him, "mouth to mouth, plainly and not in riddles." (۴۹)

کتاب استثنا میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے’’ اور اس وقت سے

اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند، جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔'' (۵۰)

الہام:

پیغام خداوندی کا ایک ذریعہ الہام تھا۔ الہام کے لغوی معنی دل میں ڈالنے اور کسی شے کو نگلوا دینے کے ہیں۔ اصطلاحاً یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصور یا کسی خیال کے غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (۵۱)

عہد نامۂ قدیم میں ''الہام'' کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً گنتی میں ایک جگہ اسے ''خداوند کے اپنی روح ڈالنے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۵۲) روح ڈالنے سے عام لوگ بھی ''نبوّت'' کرنے لگتے تھے (۵۳) حضرت داؤد علیہ السلام کو تورات میں اگر چہ صرف ایک بادشاہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ایک موقع پر انہیں مدد کی پیش کش کرنے والوں کے گروہ کے سردار پر بھی روح نازل ہوئی۔ ''تب روح عماسی پر نازل ہوئی جوان تیسوں (30) کا سردار تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ہم تیرے ہیں اے داؤد...... سلامتی۔ تیری سلامتی اور تیرے مددگاروں کی سلامتی ہو۔ کیونکہ خدا تیری مدد کرتا ہے۔'' (۵۴)

عام لوگوں کے اس الہام سے اونچے درجے کا الہام وہ تھا جس کا تجربہ انبیائے بنی اسرائیل کو رہا۔ ''خداوند اپنا ہاتھ بڑھا کر منہ کو چھولے'' تو کلام منہ میں گویا داخل ہو جاتا ہے۔ (۵۵) اسی طرح کلامِ الٰہی کے حصول کا ایک طریقہ وہ بھی ہے جس کو یرمیاہ نبی ''خداوند کی مجلس میں شامل ہونے'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۵۶) ایسی کیفیت کی تشریح العقاد اپنے مخصوص انداز میں یوں کرتے ہیں۔

> ''وہ انسان، جس پر نبوّت کے انوار کی بارش ہوتی تھی، خاموشی اختیار کرنے پر قادر نہیں ہوتا تھا۔ جب اس کے شعور کی گہرائیوں میں تجلّیات کی فراوانی سمندر کی طرح جوش مارنے لگتی اور باطن کا یہ طوفان بڑھتا جاتا تو اس کا ضمیر خود بول اٹھتا کہ اب سکوت اور خاموشی خدا کی نافرمانی اور جرم ہے۔۔۔ اس وقت وہ تمام معاملات خدا کے سپرد کر کے بشیر اور نذیر بن کر اٹھ کھڑا ہوتا'' (۵۷)

خواب:

زمانۂ قدیم سے خوابوں کو انسان اور اس کے خالق (یا دیوتاؤں) کے درمیانی تعلق کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ خوابوں کی یہ حیثیت ان قوموں کے ہاں بھی مسلّمہ تھی جو نبوّت و رسالت کی اصطلاحات سے نا آشنا تھیں۔ (۵۸) انسان اور ''خداوند'' کے درمیان رابطے کے اس وسیلے کا تذکرہ عہد نامۂ قدیم میں بے شمار مقامات پر ملتا ہے۔ بنی اسرائیل زیادہ تر اسی ذریعے سے رہنمائی پاتے ہیں...... مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے بھائی ہارون علیہ السلام اور بہن مریم، جو تورات کے مطابق ''نبیہ'' تھیں......ان سے مخاطب ہو کر خداوند فرماتا ہے کہ ''اگر تم میں سے کوئی نبی ہو تو میں اسے رؤیا میں دکھائی دوں گا اور خواب میں اس سے باتیں کروں گا۔(۵۹)

خواب میں رہنمائی صرف انبیاء ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ مصر کے بادشاہ ابی ملک کو خداوند نے خود خواب میں اطلاع دی کہ ''سارہ'' ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہے، بہن نہیں۔(٦٠) ساؤل، بادشاہ نے جب خداوند سے سوال کیا تو اسے نہ تو خواب میں کوئی جواب ملا، نہ اوریم (پیشین گو) اور نہ نبیوں کے واسطے سے جواب ملا۔(٦١)

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تورات کے ''سلاطین'' میں سے ایک ہیں۔ ''جبعون'' (ایک شہر کا نام) میں خداوند رات کے وقت سلیمان کو خواب میں دکھائی دیتا ہے اور اس کو سمجھ داری، عقل مندی، دولت، عزت، درازیٔ عمر اور ایسی بادشاہی کی بشارت دیتا ہے کہ ''بادشاہوں میں سے تیری عمر بھر کوئی تیرے مانند نہ ہوگا۔'' (٦٢) آخری زمانے کی کتاب ''یوا[illegible] تو خوابوں کے واسطے سے نبوّت کی بشارت بالکل عام ہو جاتی ہے کہ وہ زمانہ اب قریب ہے جس میں بوڑھے اور جوان، بیٹے اور بیٹیاں، سب ''نبوّت'' کریں گے، خواب اور رؤیا دیکھیں گے، حتیٰ کہ ''لونڈیوں اور غلاموں پر بھی خداوند کی روح نازل ہوگی۔'' (٦٣)

غالبًا یہاں خواب دیکھنا اور تعبیرِ خواب مراد ہے، جیسا کہ شارحینِ بائبل مراد لیتے ہیں کہ Interpretor of dreams and omens کے لیے بھی Prophet کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔(٦٤) اسی طرح چونکہ خواب ہی ایسی چیز ہے جو کسی شخص کا خالص ذاتی اور داخلی تجربہ ہے اور اس کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی خارجی شہادت نہیں لائی جا سکتی...... چنانچہ بنی اسرائیل میں نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے عموماً خواب دیکھنے کا ہی دعویٰ کیا کرتے تھے۔ یرمیاہ نبی ''خداوند'' کی طرف سے فرماتے ہیں...... ''میں نے سنا جو نبیوں نے کہا، جو میرا نام لے کر جھوٹی نبوت کرتے اور کہتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا، میں نے خواب دیکھا، کب تک یہ نبیوں کے دل میں رہے گا کہ جھوٹی نبوّت کریں۔ ہاں وہ اپنے دل کی فریب کاری کے نبی ہیں۔'' (٦٥)

پیشین گوئی:

عبرانی زبان میں نبی کے لیے Roeh, Nabi اور Hozeh کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن میں سے آخر الذکر دونوں دیکھنے والے، Seer یا غیب بین کے معنی دیتے ہیں۔ گویا نبی ایسا پیشین گو ہے جو پردۂ

غیب کے پیچھے سے آئندہ کے احوال و واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے۔(٦٦)

قاموس الکتاب کے مصنف کے بقول، نبوّت اور پیشین گوئی کے باہمی تعلق کی تین نمایاں جہات ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ پیشین گوئیاں محض عوام الناس کے، مستقبل کے واقعات کے بارے میں ذوقِ تجسس کی تسکین کے لیے نہیں، بلکہ تبشیر و انذار کا مقصد لیے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں سے اگر اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی توقع کی جاتی ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مستقبل میں ان کے لیے اچھا یا برا، کیا ہے۔ دوسرے، پیشین گوئیاں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ خدا، انسانی معاملات میں ہر وقت دخیل ہے اور تیسرے یہ انبیاء کے خدا کے ساتھ حقیقی اور سچے تعلق کی دلیل بھی ہیں۔(٦٧) بنی اسرائیل میں پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کو نبی کی صداقت کا ایک معیار سمجھا جاتا تھا۔ کتابِ استثنا میں آتا ہے۔۔۔۔۔ ''اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے، اسے ہم کیونکر پہچانیں تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں۔''(٦٨)

انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغام سے زیادہ پیشین گوئیوں پر یہود کے کان دھرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ عام طور پر یہود اپنے حالات سے ناخوش ہی رہتے تھے اور مزید کی آرزوؤں اور تمناؤں میں ہلکان۔۔۔۔۔ چنانچہ انبیاء کرام کی ''نبوّتوں'' میں بھی وہ دنیوی زندگی کے اسباب اور مادی نعمتوں کی بشارت کے مشتاق ہوا کرتے تھے۔

Standard Jewish Encyclopaedia کے مقالہ نگار نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے:

"Much of the popular appeal of prophecy can be attributed to the belief that the prophet could foresee the future and later generations held that the prophecy contained visions down to "the last generation." if interpreted aright.(٦٩)

ایسا ایک اشارہ خود عہد نامۂ قدیم میں بھی ملتا ہے کہ انبیاء کرام سے ملک و ملت اور دینی احوال کی بجائے، لوگوں کی اکثریت اپنے ذاتی مسائل پوچھا کرتی تھی۔۔۔۔۔ مثلاً ''قیس'' کا بیٹا ساؤل جب اپنے باپ کے کھوئے ہوئے گدھوں کی تلاش میں مدد لینے کے لیے سموئیل نبی کے پاس پہنچتا ہے تو وہ اسے گدھوں کا پتہ بتانے کے علاوہ، نبوّت اور سلطنت کی بشارت بھی دیتے ہیں۔(٧٠)

انبیائے بنی اسرائیل کا سیاسی کردار

عہد نامۂ قدیم کے صحائف میں انبیاء کا سیاسی کردار بڑا نمایاں نظر آتا ہے۔ بادشاہوں کا عزل و نصب، غیر قوموں سے جنگ و جدل میں اپنی قوم کی سربراہی، حکمرانوں کو جز وقتی اور کل وقتی مشاورت کی فراہمی۔۔۔۔۔

جو بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی تھی کہ بائبل نے بعض انبیاء کو (نعوذ باللہ من ذلک) ''درباری نبی'' (Court Prophets) بھی قرار دیا، جو ہمہ وقت بادشاہ کے پاس صلاح و مشورہ کے لیے موجود رہتے تھے۔(۷۱) اگرچہ سچے انبیاء کرام علیہم السّلام نے حق گوئی سے کبھی بھی گریز نہیں کیا۔(۷۲)

حقیقت یہ ہے کہ یہودی مذہبی روایت کو دیکھا جائے (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سلسلۂ نبوّت کا آغاز کرتی ہے) تو مصر میں نبوّت کے ساتھ آمد کے بعد وہاں کا عرصۂ قیام فرعون کے ساتھ سیاسی کش مکش سے عبارت ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد، بیابانِ سینا سے نکل کر فلسطین و شام کی سرزمین پر انبیاء کی قیادت میں سیاسی غلبہ ہی ان کے لیے مادی نعمتوں کے حصول کا سبب ہوا۔ اس کے بعد بھی سیاسی اقتدار انبیاء کرام ہی کے پاس رہا...... خلافت صرف اسلام ہی کی اصطلاح نہیں، بلکہ انبیاءِ بنی اسرائیل بھی اپنے آپ کو خلیفہ ہی باور کرواتے تھے۔(۷۳)

کتابِ سموئیل کے مطابق، بنی اسرائیل کے ''بزرگوں کا جمع ہو کر جانا'' اور اپنے نبی سے ''ایک بادشاہ طلب کرنا''، پھر اپنے اس مطالبے پر اصرار کرنا ''خداوند'' کو پسند نہیں آتا اور وہ سموئیل سے کہتا ہے ''جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں تو اس کو مان کیونکہ انھوں نے تیری نہیں، بلکہ میری حقارت کی ہے کہ میں ان کا بادشاہ نہ رہوں۔''(۷۴)

غالباً نبوّت اور سیاست کے اس مسلسل تعامل کا اثر تھا کہ محققینِ بائبل اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ تاریخِ بنی اسرائیل میں اکثر ایسا سمجھا گیا کہ پیغمبر محض معلّمینِ اخلاق ہی نہیں ہوتے، یہ ان کی ثانوی ذمہ داری ہے۔ ان کی آمد اور بعثت کا اصل مقصد قوم کو زوال سے بچانا، سیاسی استحکام کا حصول، اور سلطنت کی توسیع ہے۔(۷۵) یہاں یہ امر حیرت اور تأسف کا باعث ہے کہ نبوّت اور سیاست کے باہمی گہرے تعلق کو خصائصِ نبوّت کا ایک مستقل جزو تسلیم کرنے کے باوجود آج کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ، دونوں) اسلامی تعلیمات کے سیاسی پہلو کو نہایت شدّت کے ساتھ اور کلیۃً ردّ کرتے ہیں۔

نبوّت کے نعمت ہونے کا تصوّر:

نبوّت بنی اسرائیل کے ہاں ہمیشہ نعمت اور قابلِ فخر اعزاز سمجھی گئی۔ ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس پر 'خداوند' کے شکر گزار رہوں۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کے لیے اگرچہ یہ ایک مشکل فریضہ تھا، اس کے باوجود اسے ''بار'' کہنا پسند نہیں کیا گیا۔ یرمیاہ نبی نے اس حوالے سے ''خداوند'' کا پیغام لوگوں کو یوں پہنچایا۔

''اور جب یہی لوگ یا نبی یا کاہن تجھ سے پوچھیں کہ خداوند کی طرف سے بارِ نبوّت کیا ہے؟ تب تو ان سے کہنا کون سا بارِ نبوّت! خداوند فرماتا ہے میں تم کو پھینک دوں گا۔ نبی اور کاہن اور لوگوں میں سے جو کوئی کہے خداوند کی طرف سے بارِ نبوّت، میں اس شخص کو اور اس کے گھرانے کو سزا دوں گا۔ چاہیے کہ ہر کوئی اپنے پڑوسی اور اپنے بھائی سے یوں کہے کہ خداوند نے کیا جواب دیا؟ اور خداوند نے کیا فرمایا ہے؟ پر خداوند کی طرف سے بارِ نبوّت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا، اس لیے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اس پر بار ہوں گی........... چونکہ تم کہتے ہو خداوند کی طرف سے بارِ نبوّت اور میں نے تم کو کہلا بھیجا کہ خداوند کی طرف سے بارِ نبوّت نہ کہو......اس لیے دیکھو میں تم کو بالکل فراموش کر دوں گا اور تم کو اور اس شہر کو، جو میں نے تم کو اور تمھارے باپ دادا کو دیا، اپنی نظر سے دور کر دوں گا اور میں تم کو ہمیشہ کی ملامت کا نشانہ بناؤں گا اور ابدی خجالت تم پر لاؤں گا جو کبھی فراموش نہ ہوگی۔'' (۷۶)

وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل مشاہدہ (اور تجربہ بھی) کر رہے تھے کہ نبوّت کی نعمت ان کے 'خداوند' سے تعلق کا مستقل ذریعہ ہے۔ نبی وہ تھا جس کی دعائیں مقبول تھیں۔ جو خداوند سے ان کے لیے سلطنت، رزق اور امن وعافیت طلب کرتا تھا......اس کے واسطے سے ان کی توبہ قبول ہوتی تھی......اس کی قیادت میں، یا اس کے مشوروں اور پیشین گوئیوں کی روشنی میں یہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرتے تھے۔

Encyclopaedia Judaica کا مقالہ نگار اس حوالے سے لکھتا ہے:

" A prime function of the prophet was to defend his people and to act as mediator on behalf of his nation. intercession, thus is an integral component of the true prophet's mission. To be a prophet means to speak for the people to God, represent their case and take up their cause."(۷۷)

یوں تو یہ داستان پورے عہد نامۂ قدیم میں بکھری ہے......لیکن صرف ایک مثال کافی ہے اس ابتدائی دور کی......جب یہ سمندر کے بیچ میں سے نکل کر سینا میں پہنچے تھے۔

''ملکِ مصر سے نکلنے کے بعد دوسرے مہینے کی پندرہویں تاریخ کو ''صین'' کے بیابان میں...... بنی اسرائیل کی پوری جماعت موسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کاش ہم خداوند کے ہاتھ سے ملکِ مصر میں ہی مار دیے جاتے، جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے، کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اس لیے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو......اور خداوند نے موسیٰ سے کہا میں نے بنی اسرائیل کا بڑبڑانا سن لیا ہے، سو

تو ان سے کہہ دے کہ شام کو تم گوشت کھاؤ گے اور صبح کو تم روٹی سے سیر ہو گے اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمھارا خدا ہوں۔''(۷۸)

کتاب گنتی میں بھی رونے دھونے کا ایک اور ذکر ملتا ہے''......اور بنی اسرائیل بھی پھر رونے اور کہنے لگے کہ ہم کو کون گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مصر میں مفت کھاتے تھے اور ہائے وہ کھیرے اور خربوزے اور وہ گندنے اور پیاز اور لہسن......''(۷۹)

عہد نامۂ قدیم شروع سے آخر تک دیکھ جائیے...... بنی اسرائیل کے انبیاء سے مطالبات میں حیاتِ دنیا کے سروسامان ہی کی فہرست ہے جس کے بارے میں قرآنِ مجید میں بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ......﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾(۸۰) تاہم، انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہمیشہ اپنی اس خصوصیت پر قائم رہے کہ وہ ان کے لیے دعائیں کریں، مثلاً سموئیل فرماتے ہیں''خدا نہ کرے کہ میں تمھارے لیے دعا کرنے سے باز آ کر خداوند کا گنہگار ٹھہروں۔(۸۱)

حقیقتِ دین نہ کہ محض رسوم

رسومِ دینیہ پر اصرار یہودیت کی ایک لازمی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔(۸۲) لیکن عہد نامۂ قدیم کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاءِ بنی اسرائیل نے ہمیشہ ان مراسم کو محض ذرائع قرار دیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کی سچی محبت اور حقیقی فرماں برداری قوم کا مقصود ہونی چاہیے۔ یوں عہد نامۂ قدیم میں انبیاء اور پیشہ ور کاہنوں اور ان کے بے بصیرت مریدوں کے درمیان ایک مستقل کش مکش جاری رہتی ہے۔

Encyclopaedia Judaica کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"The major contribution of the prophet was considered to be the de-ritualization of religion. The basic message of the prophet was ethical monotheism with the stress on morality rather than ritual. Thus it was thought the independt spirit of the prophet conflicted head-on with the priest, the professional officiant of organized religion. The former was interested in right, the latter in rites. The prophet was "word-posessed" he brought the word of God to man. The priest was "cult-posessed." he raised man's sacrifice to God."(۸۳)

کتاب یسعیاہ کی ایک عبارت سے مندرجہ بالا رائے کی دلیل ملتی ہے:

''اے سدّوم کے حاکمو! خداوند کا کلام سنو۔ اے عمورہ کے لوگو! ہمارے خدا کی شریعت پر کان لگاؤ۔ تمھارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام۔ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے بے زار ہوں۔ بیلوں، بھیڑوں اور بکروں کے خون میں میری خوشنودی

نہیں۔ بخور (خوشبو) سے مجھے نفرت ہے، اور نئے چاند اور سبت اور عیدی جماعت سے بھی، کیونکہ مجھ میں بدکرداری کے ساتھ عید کی برداشت نہیں...... جب تم اپنے ہاتھ پھیلاؤ گے تو میں تم سے آنکھ پھیرلوں گا۔ ہاں جب تم دعا پر دعا کرو گے تو میں نہ سنوں گا۔ تمھارے ہاتھ خون آلودہ ہیں۔ اپنے آپ کو دھو۔ اپنے آپ کو پاک کرو۔ اپنے برے کاموں کو میری آنکھوں کے سامنے سے دور کرو۔ بدفعلی سے باز آؤ۔ نیکوکاری سیکھو۔ انصاف کے طالب بنو، مظلوموں کی فریادرسی کرو۔ بیواؤں کے حامی ہو۔" (۸۴)

عاموس نبی کی زبان سے ایسے لوگوں کو کہلوایا گیا:

"میں تمھاری عیدوں کو مکروہ جانتا اور ان سے نفرت رکھتا ہوں۔ میں تمھاری مقدس محفلوں سے بھی خوش نہیں ہوں۔ اگرچہ تم میرے حضور سوختنی اور نذر کی قربانیاں گزارنے لگو، تو بھی میں ان کو قبول نہ کروں گا اور تمھارے فربہ جانوروں کی قربانیوں کو خاطر میں نہ لاؤں گا۔ تو اپنے سرود کا شور میرے حضور سے دور کر کیونکہ میں تیرے رباب کی آواز نہ سنوں گا۔ لیکن عدالت کو پانی کی مانند اور صداقت کو بڑی نہر کی مانند جاری رکھ۔" (۸۵)

عہد نامۂ قدیم کی ایسی ہی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہوئے ڈکشنری آف بائبل کے مقالہ نگار نے بجا لکھا ہے کہ یہاں تو انبیائے یہود، عیسائی (بلکہ اسلامی بھی) نقطۂ نظر کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

The prophets .... appealed directly to the spirit in man, who set the truth before men and exhorted them to follow it, not out of constraint, but in freedom of spirit, because it was good, and the will of their God. They never dreamed of legislative compulsion. The law recognized by Amos is the law of righteousness and humanity written on all men's hearts. whether Jew or heathen; the law of Hosea is the law of love to Him who had loved the people and called His son out Egypt. (Here) the prophets really occupied the christian position..... (۸۶)

نبوّت پر اجرت

قرآنِ مجید کی تعلیم یہ ہے حاملینِ منصبِ نبوّت، انسانوں سے کسی معاوضے اور بدلے کے طالب نہیں

ہوتے بلکہ صرف اللہ کے حضور سے اجر وثواب کے طلب گار ہوتے ہیں۔(۸۷) اس کے برعکس، عہد نامۂ قدیم میں نبوّت کی خدمات پر لوگوں سے اجرت لینے کا تصور اتنا عام ہے کہ وہ اس کے لیے کوئی ادنیٰ جواز تلاش کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے مثلاً Enc. Judaica کا مقالہ نگار بڑی ''سادگی'' سے لکھتا ہے:

"Prophets, like ordinary people needed to make a living. There are several references to remunerations for prophetic services, sometimes ammounting to as little as one quarter of a shekel (1 Sam-9:8) or ten loaves of bread, some cakes and a jar of honey (1 Kings -14:3)(۸۸)

الیشع نبی کے بارے میں ''سلاطین'' میں آتا ہے کہ اس ''مردِ خدا'' کی آمد کی خبر سن کر بیمار بادشاہ ''ارام بن ہدد'' نے اپنے خادم کے ہاتھ ''دمشق کی ہر نفیس چیز سے لدوا کر چالیس اونٹوں پر ہدیہ بھیجا، کہ الیشع کو دے اور اس کی معرفت خداوند سے دریافت کرے کہ اسے اس بیماری سے شفا ہوگی یا نہیں۔(۸۹) ڈکشنری آف بائبل کا مقالہ نگار یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اس چیز کا انبیائے بنی اسرائیل میں رواج تھا اور کوئی بھی اسے برا نہیں سمجھتا تھا۔(۹۰)

عورتوں کی نبوّت

عہد نامۂ قدیم میں سات عورتوں کی نبوّت کا تذکرہ ملتا ہے اگرچہ تلمودی روایات کی رو سے ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔(۹۱) ڈکشنری آف بائبل کے مطابق عہد نامۂ قدیم میں نبوّت کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہ تھی جو عورتوں کے اس منصب کے لیے نااہل ہونے کا تاثر دیتی ہو۔

The conditions that were necessary to qualify for the prophetic office in the Old Testament sense were not such as to exclude women from the latter.(۹۲)

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہی ان کی بہن مریم ''نبیہ'' تھی......اور بحر قلزم کو پار کرنے کے بعد جب فرعون اور اس کے سواروں پر ''خداوند سمندر کے پانی کو لوٹا لایا'' تو ہارون کی بہن مریم ''نبیہ'' نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں دف لیے ناچتی ہوئی اس کے پیچھے چلیں اور مریم ان کے گانے کے جواب میں یہ گاتی تھی۔ ''خداوند کی حمد وثنا گاؤ کیونکہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا ہے۔ اس نے گھوڑے کو اس کے سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا ہے۔''(۹۳) (Hulda) خلدہ وہ نبیہ تھی جس نے کتاب استثناء کی تصدیق کی تھی۔(۹۴) اسی طرح (Debora) دبورہ نبیہ لوگوں کے درمیان انصاف کیا کرتی تھی۔''(۹۵)

عصمتِ انبیاء کا تصوّر

نبوت کی تاریخ دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ معترضین کو اکثر یہ پریشانی لاحق رہی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کو رسول بنا کر کیوں بھیجا ہے۔﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾(۹۶)اور یہ کہ﴿وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾(۹۷)یہود کا مسئلہ اور تھا۔انھوں نے انبیاءِ کرام کی بشریت کو تسلیم کیا لیکن تمام تر بشری اقتضاءات اور کمزوریوں کے ساتھ۔مثلاً تخلیقِ آدم کے بعد جلد ہی واضح ہو گیا کہ ''گناہ'' انسان کی کمزوری ہے۔(واضح رہے کہ تورات غلطی ہو جانے اور گناہ کرنے میں کوئی فرق نہیں کرتی) چنانچہ اس کمزوری سے کوئی بھی بشر مستثنیٰ نہیں ہے۔

نبوت کے لغوی مفہوم کے اعتبار سے یہود کے ہاں نبی صرف ''غیب بین'' ہے اور ''پیغام رساں''۔وہ خداوند سے کلام، بشارت اور وعید پاتا ہے اور اس کی چنیدہ قوم تک پہنچا دیتا ہے۔عہد نامۂ قدیم کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو نبی کی معاشرتی، معاشی، حتیٰ کہ اخلاقی حالت سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔(۹۸) عہد نامۂ قدیم و جدید پر مولانا عبدالماجد دریابادی کی نظر بڑی گہری تھی۔سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۴ ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے یہود کے ہاں تصورِ نبوت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''یہود کے ہاں نبوت، اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ان کے ہاں ہرگز یہ ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہو اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی ہو۔وہ نبی یا نبوت کے قائل صرف ان کے لفظی معنوں میں تھے۔نبی ان کے ہاں پیشگوئی کرنے والا ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہ صاحبِ کشف بھی ہو۔اسی لیے یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔''(۹۹)

انبیائے کرام کی عصمت کا معاملہ کوئی سرسری لینے کا نہیں، چنانچہ عہد نامۂ قدیم کا اس حوالے سے بغور مطالعہ کیا جائے تو دو اہم حقائق سامنے آتے ہیں۔

اوّل یہ کہ یہود کے خیال میں نبوت کا آغاز سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام سے ہوتا ہے۔ان کے بعد کے انبیاءِ کرام کا یہ اثبات کرتے ہیں ''ملاکی نبی'' تک۔عہد نامۂ قدیم کی آخری کتاب انھی سے منسوب ہے۔ان انبیاءِ کرام کے لیے بھی یہ عصمت کے قائل نہیں ہیں۔اگرچہ کھلی بدکرداری کا الزام بھی نہیں لگاتے کیونکہ یرمیاہ

نبی کے مطابق ''صرف جھوٹا نبی بدکردار ہوتا ہے۔'' (۱۰۰)

دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السّلام سے پہلے کے جن جلیل القدر انبیاءِ کرام کی نبوت اور عصمت کا انھوں نے انکار کیا، بلکہ ان سے بڑے بڑے جرائم کو منسوب کیا، ان سب کی نبوت اور عصمت، دونوں کے دلائل خود تورات ہی میں موجود ہیں۔ مثلاً سیّدنا نوح علیہ السّلام کے بارے میں تورات ''راست بازی اور اپنے لوگوں میں بے عیب ہونے'' کی شہادت دیتی ہے۔ یہ دونوں لفظ عصمت کے مترادفات ہیں۔ تیسرے یہ بھی کہ ''وہ خدا کے ساتھ چلتا رہا۔'' (۱۰۱) گناہ تو عہد نامہ قدیم کی اصطلاح میں خدا کی مرضی کی مخالفت ہے۔ (۱۰۲) خدا کے ساتھ چلنے والا ظاہر ہے، اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی عصمت بھی مسلّم ہے۔ ''جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تو خداوند ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدا قادر ہوں، تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو۔'' (۱۰۳) کمال، عصمت کا ہم معنی ہے اور گناہ نقص کا۔ سیّدنا یعقوب علیہ السلام وقتِ مرگ فرماتے ہیں۔ ''وہ خدا جس نے ساری عمر، آج کے دن تک میری پاسبانی کی'' (۱۰۴) سیّدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں تورات کا بیان ہے۔ ''وہ قید خانے میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔'' (۱۰۵) سیّدنا موسیٰ علیہ السلام ''مردِ خدا'' تھے۔ (۱۰۶) ''خدا کے نام میں کلام کرتے تھے۔'' (۱۰۷) ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (۱۰۸) سے مماثلت پیش نظر رہے) یشوع نبی کے سر پر ہاتھ رکھ کر، اپنی عمر کے آخری ایام میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام ان کو دعا دیتے ہیں۔ ''خداوند تیرے ساتھ رہے گا، تیرے آگے چلے گا، تجھ سے دست بردار نہ ہوگا نہ تجھے چھوڑے گا۔'' (۱۰۹)

تعجب کی بات ہے، سیرت و کردار سے تعلق رکھنے والے ان اہم ترین خصائص سے یہود نے آنکھیں بند کر لیں۔ سامنے رکھا تو بس یہ تصور کہ انبیاء صرف غیب بین ہیں اور خداوند کے حضور محض حقیر اور ذلیل متاعِ حیاتِ دنیا کے سفارشی۔

انبیاءِ کرام کی صداقت کا معیار

عہد نامہ قدیم کے مطابق سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاءِ کرام کی آمد کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔ یہود کے ہاں عمومی طور پر انبیاء کے لیے احترام کی فضا تھی۔ اگر چہ خلافِ مزاج تنقیدوں پر بادشاہ بھی بگڑ جاتے تھے اور مبتلائے فجور عوام بھی۔ انبیاء سے ذاتی مسائل میں بھی رجوع کیا جاتا تھا اور قحط، خشک

سالی اور دشمنوں سے خطرات کے وقت بھی...... بادشاہ بھی چونکہ انبیاء کی پیشین گوئیوں کے اکثر محتاج ہوتے تھے، چنانچہ حب مال و جاہ کے طالبوں کا بھی ہجوم ہوا جو جھوٹا دعوائے نبوت کرتے تھے۔ کچھ اسرائیل کے خدا کے نام پر اور بعض بعل دیوتا کے نام پر، جو فلسطین کا قدیم دیوتا تھا اور جس پر بنی اسرائیل بھی بار بار ریجھ جاتے تھے۔

ایسے میں سچے انبیاءِ کرام کی کئی نشانیاں بنی اسرائیل کو معلوم تھیں۔ مثلاً ایک موقع پر ایلیاہ نبی ''بعل کے ساڑھے چار سو نبیوں'' اور ان کے پیروکاروں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ بیل کی ''سوختنی قربانی'' کا معجزہ دکھائیں۔ صبح سے سہ پہر تک کی کوشش کے باوجود بعل کے ''نبی'' ناکام ہوگئے۔ اب ایلیاہ اپنا بیل ذبح کر کے لکڑیوں اور گوشت پر پانی ڈال کر اور قربان گاہ کو پانی سے بھر کر ''خداوند'' سے دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ''خداوند کی آگ نازل ہوئی اور اس نے سوختنی قربانی کو لکڑیوں اور پتھروں اور مٹی سمیت بھسم کر دیا اور اس پانی کو جو کھائی میں تھا، چاٹ لیا۔ جب سب لوگوں نے یہ دیکھا تو منہ کے بل گرے اور کہنے لگے خداوند ہی خدا ہے! خداوند ہی خدا ہے۔'' (۱۱۰)

نبی کی صداقت معلوم کرنے کے اور بھی معیار تھے۔ اس کی پیشین گوئی پوری ہو۔ (۱۱۱) خدا کی طرف بلائے، غیر معبودوں کی طرف نہیں۔ (۱۱۲) انبیاءِ کرام عام طور پر خلوت پسند بھی ہوتے تھے۔ (۱۱۳) بے باکی سے روک ٹوک کرتے تھے اور جاہ و مرتبہ اور ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ (۱۱۴) مولانا عبدالماجد دریابادی بجا لکھتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے انبیاءِ کرام کو بآسانی پہچان لیتے تھے۔ قرآنِ مجید نے ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ﴾ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ''نبی اُمّی'' صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے انبیاء (ابناء قوم) کی مانند اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ (۱۱۵) گزشتہ انبیاء کے بیانات میں آنے والے انبیاء کی آمد کی بشارات بھی ہوا کرتی تھیں۔ سیّدنا یحییٰ علیہ السلام سے یہود نے استفسار کیا تھا کہ آپ مسیح ہیں؟ ایلیاہ ہیں یا ''وہ نبی'' ہیں۔ (۱۱۶)

نبوّتِ مسیحؑ اور رسالتِ محمدیؐ کا انکار

تلمودی روایت کی رو سے سلسلۂ نبوّت کا خاتمہ ملاکی نبی پر ہو چکا ہے اور اب ربّانی نظام (Priest Hood) قیامت تک کے لیے بھیجی جانے والی شریعت'' کی تشریح و تطبیق اور پاسبانی کا ذمہ دار ہے۔ (۱۱۷) یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بعد میں آنے والے انبیاءِ کرام، سیّدنا یحییٰ علیہ السلام، سیّدنا مسیح علیہ السلام اور ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ اس جحود و انکار کے یہ پہلے سے عادی تھے۔ یسعیاہ نبی، جن کو بعض روایات کی رو سے آرے سے چیر کر قتل کیا گیا۔ (۱۱۸) ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں...... ''یہ باغی

لوگ اور جھوٹے فرزند ہیں جو خدا کی شریعت کو سننے سے انکار کرتے ہیں۔ جو غیب بینوں سے کہتے ہیں کہ غیب بینی نہ کرو اور نبیوں سے کہ ہم پر سچی نبوّت ظاہر نہ کرو۔'' (۱۱۹)

سیّدنا یحییٰ علیہ السلام کی نبوت میں انھیں کوئی شبہ نہ تھا۔ سیّدنا مسیح علیہ السلام سے جب یہودی علماء نے پوچھا کہ وہ کس کے اختیار سے معجزے دکھاتے اور بشارتیں دیتے ہیں تو جناب مسیحؑ نے الٹا انھی سے سوال کر دیا کہ تم بتاؤ یوحنا کا بپتسمہ کس کی طرف سے تھا۔'' انھوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم کہیں کہ آسمان کی طرف سے، تو وہ کہے گا تم نے کیوں اس کا یقین نہ کیا اور اگر ہم کہیں انسان کی طرف سے تو لوگ ہم کو سنگسار کر دیں گے کیونکہ انھیں یقین ہے کہ یوحنا نبی تھا۔ پس انھوں نے جواب دیا، ہم نہیں جانتے کہ کس کی طرف سے تھا۔ یسوع نے ان سے کہا، پھر میں بھی تمھیں نہیں بتاتا کہ میں یہ کام کس کے اختیار سے کرتا ہوں۔'' (۱۲۰)

کاہن اور فریسی سیّدنا مسیح علیہ السلام کے قتل کی سازش کے وقت ان کی نبوّت سے بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے آپس میں کہا'' یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے...... اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے۔'' (۱۲۱) قرآن مجید نے ان کے اسی بیان پر تبصرہ کیا ہے کہ ﴿اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (۱۲۲) سیّد مودودیؒ یہاں لکھتے ہیں کہ'' یہود کے قتلِ انبیاء کے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ انھوں نے اپنے زعم میں مسیحؑ کو سولی چڑھانے کے بعد سینے پر ہاتھ مار کر کہا ہو'' ہم نے اللہ کے رسولوں کو قتل کیا ہے۔'' (۱۲۳)

رسالت یحییٰ ومسیح علیہما السلام کی طرح، یہودِ مدینہ کو رسالتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی کوئی شبہ نہ تھا۔ بخاری اور ابن ہشام میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام، ان کی صفات اور ان کی آمد کے زمانے سے آگاہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی عبداللہ بن سلامؓ کا پہلا تأثر یہ تھا کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔ ﴿فلمّا رأيت وجهه عرفت انّ وجهه ليس بوجه كذّاب﴾'' (۱۲۴) نبی کریمؐ کی مجلس میں یہود کے گروہ سے مخاطب ہو کر انھوں نے فرمایا......'' اے گروہِ یہود اللہ سے ڈرو اور جو چیز آپؐ لے کر آئے ہیں، اس کو قبول کر لو واللہ تم اس بات کو خوب جانتے ہو کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ تم تورات میں ان کا ذکر، ان کا نام اور صفت لکھی ہوئی پاتے ہو۔'' (۱۲۵)

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی گواہی بھی ابن ہشام نے درج کی ہے کہ ان کے والد سے ان

کے چچانے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد واپس آ کر پوچھا کہ کیا یہ ''وہی نبی'' ہیں اور کیا تم نے ان کو پہچان لیا ہے اور تحقیق کر لی ہے۔ وہ بولے ہاں، چچانے پھر پوچھا اب تمھارے دل میں اس کے متعلق کیا ہے، تو بولے ''واللہ! جب تک زندہ رہوں گا، اس سے دشمنی رہے گی۔'' (۱۲۶)

تبصرہ و تجزیہ

عہد نامۂ قدیم کے نوشتوں کو پڑھتے ہوئے، کتنے ہی مقامات پر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ قرآن مجید اور تورات وصحائفِ مقدسہ، ایک ہی سرچشمۂ وحی کا فیضان ہیں۔ انبیاء کرام کی دعوت کا مرکزی نقطہ، ان کی سیرت کا مجموعی نقشہ اور خصائصِ انبیاء کی فہرست میں جہاں کہیں ''وحی'' اپنی صداقت کے ساتھ باقی ہے، قرآن مجید اس کا مصدق اور مہیمن ہے۔ توحید، رسالت اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بشارتیں اس ابدی صداقت اور سچی وحی کی گواہ ہیں۔ دوسری طرف جہاں یہود نے اپنی ''مفسدانہ اور باغیانہ خو'' کے مطابق تحریف وتصرف کیا ہے، وہ بھی فوراً پہچانا جاتا ہے۔

گروہِ یہود اگر ذاتی مفادات، دنیوی منفعت اور نسلی تعصب کا شکار نہ ہوتا تو بنی اسرائیل کی نبوتیں اور ختم المرسلین سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور رسالت بھی، ان کے لیے فلاح وسعادت کا باعث بنتی۔ لیکن خصائصِ نبوت جیسے نازک معاملے میں بھی یہ افترا پردازی سے باز نہ رہ سکے۔ انبیاء کرام کی خدمتِ رسالت کا اجر کوئی انسان کہاں دے سکتا ہے۔ اللہ ان سے وعدہ فرماتا ہے۔ ﴿اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ﴾ (۱۲۷) ان یہود کی دنیا پرستی اور تاجرانہ ذہنیت نے انبیاء کرام کی طرف اجرت کو منسوب کر دیا۔ ان کے خودساختہ تصورات میں سے ایک عورتوں کی نبوت بھی ہے۔ (غالباً آج کے دور کی مساواتِ مرد وزن کی تحریک اسی تصور کا شاخسانہ ہے۔) قرآن مجید خواتین کی نبوت کے تصور کو قطعی رد کرتا ہے۔ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ﴾ (۱۲۸) اپنی طبعی کمزوریوں کے ساتھ خواتین اس منصب جلیلہ کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔

یہودی تصور کے مطابق نبوت ورسالت یہود کے لیے خاص ہے۔ دنیا کی دوسری قومیں اس منصب کی سزاوار ہی نہیں ہیں۔ توحید وشریعت صرف بنی اسرائیل کا استحقاق ہے۔ غیر یہود تک ان تعلیمات کو پہنچانا نہ ان کی ذمہ داری ہے، نہ آلِ یعقوب کے علاوہ کوئی اس کا حق رکھتا ہے۔ اولادِ آدم اور عام انسانیت تک یہ دعوت ان کے ''مسیحِ موعود'' (احادیثِ مبارکہ میں جس کو دجالِ اکبر کا نام دیا گیا ہے) کے زمانے میں پہنچے گی جب پوری دنیا ''خدا کی بادشاہی اور یہود کی ماتحتی'' کے زیرِ اثر آ جائے گی۔ یہی ''خداوندِ اسرائیل'' کا ان سے وعدہ ہے۔ (۱۲۹)

تصورِ نبوت میں سب سے بڑا انحراف انبیاء کرام کی تکذیب، اور عصمتِ انبیاء کا انکار ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے چنیدہ و فرستادہ اور اپنے وقت کے امام اور راہبر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سیرت و کردار کی نگہداشت اور پاسبانی فرماتا ہے اور امتوں پر ان کا احترام، محبت اور اتباع لازم ٹھہراتا ہے۔ فکری انحرافات کے علاوہ یہودی طرزِ عمل بھی انبیاء کرام کے حوالے سے شرمناک رہا ہے۔ مخالفت و عداوت سے آگے بڑھ کر یہ قتلِ انبیاء تک کے مرتکب ہوئے۔ ﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ م بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ (۱۳۰) شاہ ولی اللہ قرآن مجید کے مخاصمۂ یہود کے ضمن میں ان کو بجا طور پر تحریف، کتمان اور افتراء کا مجرم قرار دیتے ہیں۔ (۱۳۱) یہی معاملہ نبوات میں بھی نظر آتا ہے۔

حوالے و حواشی

۱۔ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ(الشوریٰ ۴۲:۱۳)

۲۔ الرّعد ۱۳:۷ ۳۔ یوحنا۔۱۶:۱۲،۱۳ ۴۔ ال عمران۳:۱۹،

۵۔ ال عمران۳:۸۵

۶۔ الاحزاب۳۳:۴۰،ابن کثیرؒ نے مذکورہ آیت قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہوئے تکمیل دین اور ختم نبوّت کے باہمی تعلق کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: وقوله ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾(المآئدة ۵:۳)هذه أكبر نعم اللّٰه تعالىٰ على هذه الأمّة حيث أكمل تعالى لهم دينهم، فلا يحتاجون إلى دين غيره، ولا إلى نبي غير نبيهم صلوات اللّٰه و سلامه عليه، ولهذا جعله اللّٰه تعالىٰ خاتم الأنبياء وبعثه إلى الإنس والجنّ، فلا حلال إلّا ما أحلّه، ولا حرام إلّا ما حرّمه، ولا دين إلّا ما شرعه، وكل شئ أخبر به فهو حق وصدق لا كذب فيه ولا خلف كما قال تعالىٰ ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾(الأنعام۶:۱۱۵)أي صدقا في الأخبار، وعدلا في الأوامر والنّواهي، فلما أكمل لهم الدين، تمّت عليهم النّعمة، ولهذا قال تعالىٰ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾(المآئدة ۵:۳) أي فارضوه أنتم لأنفسكم، فإنه الدين الذي أحبه الله ورضيه، وبعث به أفضل الرسل الكرام، وأنزل به أشرف كتبه۔ وقال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس قوله ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾(المآئدة ۵:۳)وهو الإسلام، أخبر الله نبيه صلّى اللّٰه عليه وسلّم والمؤمنين أنه قد أكمل لهم الإيمان، فلا يحتاجون إلى زيادة أبداً، وقد أتمّه الله فلا ينقصه أبداً، وقد رضيه الله فلا يسخطه أبداً، وقال أسباط عن السدي: نزلت هذه الآية يوم عرفة، ولم ينزل بعدها حلال و لا حرام۔

۷۔ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔(الانبياء ۲۱:۴۸) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ (المائدة ۵:۴۴)

۸۔ قاموس الکتاب: ص۱۰۱۸؛ Dictionary of the Bible,4/108

۹۔ قاموس الکتاب: ص۱۰۱۹، The Enc. of Religion: 12/16؛

Standard Jewish Encyclopedia P:1547؛

۱۰۔ Encyclopedia Judaica: 16/567,568

۱۱۔ قاموس الکتاب: ص۲۷ ۱۲۔ Dictionary of the Bible-4/108

۱۳۔ لسان العرب: ۱۴/۳۰ ۱۴۔ تاج العروس: ۱/۲۵۵

۱۵۔ مفردات القرآن: ص۱۰۲۲ ۱۶۔ دنیا کے بڑے مذہب: ص۲۳۷

۱۷۔ History of Religion: 2/15؛ تفسیر ماجدی، ص۲۰

۱۸۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ .(آل عمران ۳:۳۳)

۱۹۔ قصۂ ہابیل وقابیل میں اس کے کئی اشارات ملتے ہیں۔

۲۰۔ پیدائش ۲:۱۵ ۲۱۔ پیدائش ۲:۵

۲۲۔ پیدائش ۴:۶۲

۲۳۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ○ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۤءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ○ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○ ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ○ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا (نوح ۷۱: ۵۔۹)

۲۴۔ پیدائش ۶:۹ ۲۵۔ پیدائش ۹:۱۔۱۳

۲۶۔ بادشاہِ مصر سے حضرت ابراہیم کے بارے میں خدا نے خواب میں کہا۔ ''اب تو اس مرد کی بیوی کو واپس کردے کیونکہ وہ نبی ہے اور وہ تیرے لیے دعا کرے گا اور تو جیتا رہے گا پر اگر تو اسے واپس نہ کرے تو جان لے کہ تو بھی اور جتنے تیرے ہیں، سب ضرور ہلاک ہوں گے۔'' پیدائش ۲۰:۶۔۷

۲۷۔ پیدائش ۔۱۴:۱۵،۱۶ ۲۸۔ پیدائش ۔۱۷:۱۰۔۱۴

۲۹۔ قاموس الکتاب۔ ص۱۱۴۷ ۳۰۔ پیدائش ۔۳۲:۲۷

۳۱۔ پیدائش، ۳۰:۳۷۔۵۰ ۳۲۔ Enc. Judaica-16/568

۳۳۔ قاموس الکتاب: ص ۳۴۔ استثنا، ۱۸:۱۸

۳۵۔ خروج،۳:۱ ۳۶۔ خروج،۳:۴ ۳۷۔ خروج،۳:۱۰

۳۸۔ کتاب مقدس،ص ۹۱۶ ۳۹۔ یرمیاہ۔۱:۴۔۱۰

۴۰۔ النبوۃ والانبیاء: ص ۴۵، ۴۶. حیاتِ مسیح: ص ۳۸، ۳۹

۴۱۔ خروج،۳:۱۰ ۴۲۔ خروج،۳:۱۵

۴۳۔ خروج،۱۹:۳ ۴۴۔ خروج،۴:۱۳

۴۵۔ خروج،۵:۲۰-۲۱ ۴۶۔ یرمیاہ،۳۲:۲-۴

۴۷۔ حیاتِ مسیح،ص ۴۳،۴۴ ۴۸۔ خروج: باب ۱۹

۴۹۔ Enc. Judaica, 16/568 نیز ملاحظہ ہو۔ گنتی۔۱۲:۶۔۸

۵۰۔ استثنا،۳۴:۱۰ ۵۱۔ سیرت النبی: ۴/۴۴، تفہیم احکام القرآن: ۱/۳۰ مفردات امام راغب: ص ۹۲۹۔ اول الذکر دو کتابوں میں وحی والہام کے بارے میں مزید معلومات بھی شامل ہیں۔

۵۲۔ گنتی،۱۱:۲۹ ۵۳۔ گنتی،۱۱:۳۰ ۵۴۔ تواریخ،۱۲:۱۸

۵۵۔ یرمیاہ،۱:۸ ۵۶۔ یرمیاہ،۲۲:۲۳ ۵۷۔ حیاتِ مسیح،ص ۴۴

۵۸۔ Enc. Judaica 16/568; Dic. of the Bible, 4/107 ۵۹۔ گنتی،۱۲:۶

۶۰۔ پیدائش: باب:۲۰ ۶۱۔ ۱ سموئیل،۲۸:۶

۶۲۔ سلاطین،۳:۵-۱۵ ۶۳۔ یوایل،۲:۲۸،۲۹؟؟؟

۶۴۔ Enc. Judaica, 16/568; Dic. of the Bible, 4/107

۶۵۔ یرمیاہ،۲۴:۲۵-۲۷ ۶۶۔ Dic. of the Bible, 4/108

۶۷۔ قاموس الکتاب،ص ۱۰۱۹ ۶۸۔ استثنا،۱۸:۲۱،۲۲

۶۹۔ Standard Jewish Encyclopaedia , P. 1547

۷۰۔ سموئیل، باب ۹،۱۰

۷۱۔ Enc. Judaica, 16/1547; Enc. Religion & Ethics, 10/389؛ سموئیل،۷:۱-۱۷

۷۲۔ ۲-تواریخ، باب ۱۸...... میں تفصیل سے وہ قصہ درج ہے کہ یہوداہ کا بادشاہ ''یہوسفط'' ''۴۰۰ انبیاء'' کو اکٹھا کر کے ان سے ''رامات جلعاد'' نامی شہر پر حملہ کرنے کے لیے مشاورت کرتا ہے۔ وہ سب اسے اس شہر پر ''قبضہ'' کی خوش خبری سناتے ہیں۔ اس موقع پر بادشاہ کا ایلچی، ''میکایاہ'' نبی کو

بھی بادشاہ کی مرضی کی بات کرنے کا مشورہ دیتا ہے لیکن نبی بادشاہ کو اس کے ارادے سے منع کرتے ہیں اور بادشاہ ناگواری کا اظہار کرتا ہے کہ ''یہ میرے حق میں نیکی نہیں بلکہ بدی کی پیشین گوئی کر رہے ہیں۔'' اور انھیں قید کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس قصے میں یہ بھی واضح ہے کہ بہت سے لوگ بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے نبوّت کے جھوٹے دعوے کرتے تھے۔

۷۳۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص۱۲۰، ۱۲۱ ۷۴۔ ۱-سموئیل، ۸:۴-۷

۷۵۔ Dictionary of the Bible, 4/111 ۷۶۔ یرمیاہ ۲۳:۳۳-۴۰

۷۷۔ Enc. Judaica, 16/577,578 ۷۸۔ خروج، ۱۶:۱-۱۱

۷۹۔ گنتی، ۱۱......۴:۵ ۸۰۔ الاعراف ۷:۱٦۹

۸۱۔ سموئیل، ۱۲:۲۳ ۸۲۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص۲۳۲

۸۳۔ Enc. Judaica, 16/578 ۸۴۔ یسعیاہ، ۱:۱۰-۱۷

۸۵۔ عاموس، ۵:۲۱ ۸٦۔ Dictionary of the Bible, 4/119

۸۷۔ دیگر مقامات کے علاوہ، صرف سورۃ الشعرآء میں ہی یہ عبارت پانچ مرتبہ آئی ہے: ﴿مَآ اَسْـَٔـلُـكُـمْ عَـلَـيْـهِ مِـنْ اَجْـرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَـلٰی رَبِّ الْـعٰـلَـمِيْـنَ﴾ (الشعرآء ٢٦:١٠٩، ١٢٧، ١٤٥، ١٦٤، ١٨٠)

۸۸۔ Enc. Judaica, 16/570 ۹۰۔ Dicionary of the Bible, 4/117

۹۱۔ Encyclopaedia Judaica, 16/581

۹۲۔ Dictionary of the Bible, 4/127

۹۳۔ خروج، ۱۵:۱۹-۲۱ ۹۴۔ ۲سلاطین، باب۲۲

۹۵۔ قضاۃ ۴:۴ ۹٦۔ الإسراء ١٧:٩٤

۹۷۔ المؤمنون ٢٣:٣٤

۹۸۔ ''عصمتِ انبیاء'' کے عنوان کے تحت شبلی نعمانیؒ نے ''سیرت النبیؐ'' میں ''علم الکلام اور الکلام'' میں......، مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ''علم الکلام'' میں، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ''سیرت سرورِ عالم'' میں، محمد علی الصابونی نے اپنی کتاب ''النبوۃ والانبیاء'' میں اور احمد شلبی نے ''مقارنۃ الادیان'' میں یہود کی اس فکری کجی کی نشان دہی کی ہے۔

۹۹۔ تفسیر ماجدی، ص۲۵۴ ۱۰۰۔ یرمیاہ، ۱۰:۲۳

۱۰۱۔ پیدائش، ۹:۶ ۱۰۲۔ قاموس الکتاب، ص۸۳۸

۱۰۳۔ پیدائش، ۱:۱۷ ۱۰۴۔ پیدائش، ۱۵:۴۸

۱۰۵۔ پیدائش، ۲۱،۲۰:۴۰ ۱۰۶۔ استثنا، ۱:۳۳

۱۰۷۔ استثنا، ۲۲:۱۸ ۱۰۸۔ النجم ٥،٤:٥٣

۱۰۹۔ استثنا، ۸:۳۰ ۱۱۰۔ سلاطین، ۳۹،۳۸:۱۸

۱۱۱۔ خروج ۲۳:۲۱،۱۸ ۱۱۲۔ استثنا، ۵-۱:۱۳

۱۱۳۔ ۱ سلاطین، ۷-۵:۱۷ ۱۱۴۔ یرمیاہ، ۱۳:۳۲

۱۱۵۔ تفسیر ماجدی، ص۲۸۳ ۱۱۶۔ یوحنا، ۲۳-۱۹:۱

۱۱۷۔ قاموس الکتاب، ۱۰۲۶؛ Enc. Judaica, 16/580-81;Enc. Britannica, 22/387

۱۱۸۔ قاموس الکتاب، ص۱۱۲۲ ۱۱۹۔ یسعیاہ، ۱۳:۳۰

۱۲۰۔ لوقا، ۸-۱:۲۰ ۱۲۱۔ یوحنا، ۴۸،۴۷:۱۱

۱۲۲۔ آل عمران ١٠٤:٣ ۱۲۳۔ تفہیم القرآن، ۳۱۹/۱،۱

۱۲۴۔ سیرت المصطفیٰ، ۲۲۱/۱،۱ ۱۲۵۔ ابن ہشام، ۴۵۴/۱،۱، بخاری

۱۲۶۔ ابن ہشام، ۴۵۵/۱،۱ ۱۲۷۔ القلم ٣:٦٨

۱۲۸۔ النحل ٤٣:١٦

۱۲۹۔ The future community of Israel would have survived the "Day of the lord", would live in peace, no longer troubled by oppression, injustice or war. It would be an age in which would be manifested to all mankind, and so all the nations would come to reject idolatry and recognize and revere the God of Israel alone. Jerusalam would become the spiritual center of the world from which would flow God's instructions to all mankind. Israel would become a prophet nation spreading the teachings of God to all humanity and recounting his glory. It would become a "light to the nations" and bring God's blessing and beneficence to the ends of the earth.Enc. Judaica: 16/580, Standard Jewish Enc. P. 534; Dic. of the Bible, 4/121

۱۳۰۔ البقرۃ ٨٧:٢ ۱۳۱۔ الفوز الکبیر، ص۲۹-۲۶